سلسلہ اصلاحی خطبات ۸۵

اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اسلام کے مطالبات:

۱۔ دوسروں کو تکلیف مت دو۔

۲۔ معاہدہ کو پورا کرو۔

۳۔ وعدہ کر کے اسکو نبھاؤ۔

۴۔ عقل کو دین کے تابع بنادو۔

۵۔ امانت میں خیانت مت کرو۔

۶۔ دین کے پانچوں شعبوں پر عمل کرو۔

میمن اسلامک پبلشرز

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا مطلب کیا؟

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده اللّٰہ فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له، ونشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰہ تعالٰى عليه وعلى اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيرًا كثيرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشيطن الرجيم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحيم
﴿يايها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوٰت الشيطن انه لكم عدو مبين ۝﴾ (سورة البقرة: ۲۰۸)

آمنت بالله صدق اللّٰہ مولانا العظيم، و صدق رسوله النبى الكريم ونحن على ذلك من الشاهدين۔

تمہید

میرے محترم بزرگو اور دوستو! سب سے پہلے میں آپ حضرات کے اس جذبے پر مبارک باد پیش کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے اوقات میں سے کچھ وقت دین کی بات سننے کے لئے نکالا، اور اس غرض کے لئے یہاں جمع ہوئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور تعلیمات کی کچھ باتیں سنی جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس جذبے کو قبول فرمائے، اور اس کے کہنے والے اور سننے والے سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین —— اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی ہے۔ اس آیت کی تھوڑی سی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو اور اس کے پیچھے مت چلو۔

کیا ایمان اور اسلام علیحدہ علیحدہ ہیں

یہاں سب سے پہلی بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان الفاظ سے خطاب کیا کہ "اے ایمان والو" یعنی ان لوگوں سے خطاب ہورہا ہے جو ایمان لاچکے، جو کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت

پر اپنے اعتقاد کا اظہار کر چکے اور "اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ" کہہ چکے، ان سے خطاب کر کے کہا جارہا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ایمان لا چکے تو ایمان لانے کے بعد اسلام میں داخل ہونے کے کیا معنی؟ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب ایک شخص ایمان لے آیا تو وہ اسلام میں بھی داخل ہو گیا، ایمان اور اسلام ایک ہی چیز سمجھی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو، اسلام میں داخل ہو جاؤ، جس سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ ایمان کچھ اور چیز ہے اور اسلام کچھ اور چیز ہے۔ اور ایمان لانے کے بعد اسلام میں داخل ہونا بھی ضروری ہے۔

"اسلام" لانے کا مطلب

پہلی بات تو سمجھنے کی یہ ہے کہ اسلام کیا ہے؟ اور ایمان والوں کو اسلام میں داخل ہونے کی جو دعوت دی جارہی ہے، اس سے کیا مراد ہے اور اسلام کس کو کہتے ہیں؟ "اسلام" عربی زبان کا لفظ ہے، اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو کسی کے آگے جھکا دینا، یعنی کسی بڑی طاقت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دینا اور اپنے آپ کو اس کا تابع بنا لینا کہ جیسا وہ کہے اس کے مطابق انسان کرے، یہ ہیں "اسلام" کے معنی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لینا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور یوم آخرت پر ایمان لے

آنا، یہ باتیں اسلام میں داخل ہونے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے پورے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے آگے جھکا دے۔ جب تک یہ نہیں ہوگا اس وقت تک انسان صحیح معنی میں اسلام کے اندر داخل نہیں ہوگا۔

بیٹے کے ذبح کا حکم عقل کے خلاف تھا

یہی لفظ "اسلام" اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی استعمال فرمایا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو ذبح کردیں، جس کی یادگار ہم اور آپ ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر مناتے ہیں۔ بیٹا بھی وہ جو امنگوں اور مرادوں سے طلب کیا ہوا، جس کے لئے آپ نے دعائیں کی تھیں کہ یااللہ! مجھے بیٹا عنایت فرما دیجئے، جب وہ بیٹا ذرا چلنے پھرنے اور آنے جانے کے لائق ہوا اور باپ کا ہاتھ بٹانے کے لائق ہوا تو اس وقت یہ حکم آیا کہ اس کے گلے پر چھری پھیر کر اس کو ختم کردو۔ اب اگر اس حکم کو عقل کی میزان میں تول کر دیکھا جائے اور اس کی حکمت اور مصلحت پر غور کیا جائے تو کوئی عقلی حکمت، عقلی مصلحت، کوئی عقلی جواز اس بات کا نظر نہیں آئے گا کہ کوئی باپ اپنے

بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دے، نہ تو کوئی باپ ایسا کر سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی انسان اس عمل کو عقل اور انصاف کے مطابق قرار دے سکتا ہے۔

بیٹے کا بھی امتحان ہو گیا

لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا:

﴿انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری﴾ (الصافات: ۱۰۲)

بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ یہ سوال اس لئے نہیں کیا کہ ان کے دل میں اس حکم پر عمل کرنے میں تردد تھا بلکہ اس لئے سوال کیا کہ بیٹے کا بھی امتحان لیا جائے کہ دیکھیں بیٹا اس کے بارے میں کیا جواب دیتا ہے۔ وہ بیٹا بھی خلیل اللہ کا بیٹا تھا اور جس کی صلب سے نبی کریم سرور دو عالَم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے والے تھے۔ اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں کہا کہ ابا جان میں نے کون سا ایسا جرم کیا ہے، کیا خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے، کیا غلطی میں نے کی ہے جس کی پاداش میں مجھے زندگی سے محروم کیا جا رہا ہے اور مجھے قتل کیا جا رہا ہے۔ بلکہ جواب میں بیٹے نے یہ کہا کہ:

﴿یا بت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصبرین﴾ (ایضاً)

ابا جان! جو حکم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، اس کو کر گزریے اور میری فکر نہ کیجئے، اس لئے کہ اس حکم پر عمل کرنے میں مجھے تکلیف پہنچے گی تو ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ نہیں پوچھا کہ اے اللہ! آپ نے جو مجھے میرے چہیتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا ہے اس میں کیا حکمت اور مصلحت ہے؟ بس دونوں نے یہ دیکھا کہ یہ حکم ہمارے خالق اور ہمارے مالک کی طرف سے آیا ہے اسی وقت دونوں باپ اور بیٹے اس حکم کی تعمیل پر تیار ہو گئے۔

چلتی چھری نہ رُک جائے

قرآن کریم نے اس واقعہ کو بڑے پیارے انداز میں ذکر فرمایا ہے، یعنی جب باپ اور بیٹا اس حکم کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور باپ کے ہاتھ میں چھری ہے اور بیٹا زمین پر لٹا دیا گیا ہے اور قریب ہے کہ وہ چھری گلے پر چل جائے اور بیٹے کا کام تمام کردے۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے لئے قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

﴿فلما اسلما وتلہ للجبین﴾ (الصافات: ۱۰۳)

یعنی جب باپ اور بیٹے دنوں اسلام لے آئے اور دونوں نے اللہ کے

حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ پیشانی کے بل اس لئے لٹایا کہ اگر سیدھا لٹائیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر اور اس صورت پر ظاہر ہونے والے کرب اور تکلیف کے اثرات دیکھ کر چھری چلنے کی رفتار میں کمی آجائے اور کہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے میں رُکاوٹ پیدا ہوجائے، اس لئے الٹا لٹایا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے لفظ "اسلما" استعمال فرمایا، یعنی دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھک گئے۔

اللہ کے حکم کے تابع بن جاؤ

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی اصطلاح میں "اسلام" کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنے پورے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھکا دے اور جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو یہ نہ پوچھے کہ اس کی عقلی حکمت اور مصلحت کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے کے بعد اس کی تعمیل کی فکر کرے۔ یہ ہے "اسلام" اور اسی اسلام میں داخل ہونے کے لئے قرآن کریم کی آیت یا یھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ میں حکم دیا گیا ہے، یعنی اے ایمان والو! تم نے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت تو پڑھ لیا لیکن اب اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اپنے پورے وجود کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع بنا دو اور جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے اس کو قبول کرو اور اس کو تسلیم کرو

اور اس پر عمل کرو۔

ورنہ عقل کے غلام بن جاؤ گے

اب سوال یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو بے چون و چرا کیوں مان لیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے حکم کو اس طرح بے چون و چرا نہیں مانو گے بلکہ اپنی عقل اور سمجھ استعمال کر کے یہ کہو گے کہ یہ حکم تو بے کار اور بے فائدہ ہے یا یہ حکم تو انصاف کے خلاف ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی عقل کے غلام بن کر رہ جاؤ گے اور اللہ کی غلامی اور بندگی کو چھوڑ کر عقل کی غلامی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

علم حاصل کرنے کے ذرائع

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں علم حاصل کرنے کے کچھ ذرائع عطا فرمائے ہیں، ان ذرائع کے ذریعہ انسان علم حاصل کرتا ہے۔ مثلاً سب سے پہلا ذریعہ علم "آنکھ" ہے۔ آنکھ کے ذریعہ چیزوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں انسان علم حاصل کرتا ہے۔ دوسرا ذریعہ علم "زبان" ہے۔ اس زبان کے ذریعہ انسان بہت سی چیزوں کو چکھ کر ان کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے۔ تیسرا ذریعہ علم "کان" ہے۔ اس کان کے ذریعہ بہت سی چیزوں کے بارے میں سن کر انسان علم حاصل کرتا ہے۔ ایک ذریعہ علم "ہاتھ" ہے۔ اس کے ذریعہ انسان بہت سی چیزوں کو چھو کر علم حاصل

کرتا ہے۔ مثلاً یہ سامنے مائیکروفون ہے۔ اب مجھے آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر اس کے بارے میں مجھے یہ علم حاصل ہوا کہ یہ ایک آلہ ہے اور گول بنا ہوا ہے۔ اور ہاتھ لگانے سے پتہ چلا کہ یہ ٹھوس ہے، اور کان کے ذریعہ مجھے پتہ چلا کہ یہ آلہ میری آواز کو دور تک پہنچا رہا ہے۔ دیکھئے! کچھ علم آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر حاصل ہوا، کچھ علم کان کے ذریعہ سن کر حاصل ہوا، اور کچھ علم ہاتھ کے ذریعہ چھو کر حاصل ہوا۔

ان ذرائع کا دائرہ کار متعیّن ہے

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان ذرائع علم کا ایک دائرہ کار مقرر کردیا ہے۔ اس دائرہ کے اندر وہ ذریعہ علم کام دے گا۔ اگر اس دائرہ سے باہر اس ذریعہ کو استعمال کرو گے تو وہ ذریعہ کام نہیں دے گا۔ ــــ مثلاً آنکھ کا دائرہ کار یہ مقرر کردیا ہے کہ وہ دیکھ کر علم عطا کرتی ہے لیکن سن کر علم نہیں دیتی، اس کے اندر سننے کی طاقت موجود نہیں، وہ کام کان کا ہے، اور کان سن سکتا ہے مگر دیکھ نہیں سکتا، زبان چکھ سکتی ہے لیکن اس کے اندر سننے اور دیکھنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں اپنی آنکھیں تو بند کرلوں اور اپنے کانوں کے ذریعہ یہ دیکھوں کہ میرے سامنے کیا منظر ہے تو وہ احمق اور بیوقوف ہے، اس لئے کہ کان اس کو کوئی منظر نہیں دکھا سکے گا کیونکہ اس نے کان کو اس کے دائرہ کار سے باہر استعمال کیا، کان دیکھنے کے لئے وضع ہی نہیں کئے گئے ہیں۔ یا اگر کوئی

شخص یہ چاہے کہ میں کان کو تو بند کرلوں اور آنکھ کے ذریعہ یہ سنوں کہ میرے سامنے والا شخص کیا بات کہہ رہا ہے تو وہ شخص بھی بیوقوف ہے، اس لئے کہ یہ سننے کا کام آنکھ انجام نہیں دے سکتی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آنکھ بیکار ہے، یہ آنکھ بڑی کار آمد ہے، لیکن اس وقت تک کار آمد ہے جب تک اس کو اس کے دائرہ کار میں اور دیکھنے کے کام میں استعمال کیا جائے، اگر سننے میں استعمال کرو گے تو یہ آنکھ کوئی کام نہیں دے گی۔

ایک اور ذریعہ علم "عقل"

لیکن ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں یہ ظاہری حواس خمسہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ معلومات فراہم کرنا چھوڑ دیتے ہیں، کام دینا بند کر دیتے ہیں، اس مرحلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، وہ ہے انسان کی عقل۔ یہ عقل ان چیزوں کا علم انسان کو عطا کرتی ہے جن کا علم آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر حاصل نہیں ہو سکتا، مثلاً یہ مائیکرو فون ہے، میں نے ہاتھ کے ذریعہ چھو کر اور آنکھ کے ذریعہ دیکھ کر یہ تو پتہ لگا لیا کہ یہ ٹھوس ہے، لوہے کا بنا ہوا ہے، لیکن اس کو کس نے بنایا؟ اور کس طرح یہ وجود میں آیا؟ یہ بات نہ آنکھ دیکھ کر بتا سکتی ہے، نہ کان سن کر بتا سکتا ہے۔ نہ زبان چکھ کر بتا سکتی ہے۔ اس کو معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل عطا فرمائی ہے، اس عقل کے ذریعہ ہمیں پتہ چلا

کہ اتنا خوبصورت اور شاندار بنا ہوا آلہ جو اتنا اہم کام انجام دے رہا ہے کہ ہماری آواز کو دور تک پہنچا رہا ہے، یہ آلہ خود بخود نہیں بن سکتا، ضرور کسی کاریگر نے اس کو بنایا ہے اور ایسے کاریگر نے بنایا ہے جو بڑا ماہر ہے اور اس فن کو جاننے والا ہے۔ لہٰذا جس جگہ پر یہ حواس خمسہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، وہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم حاصل کرنے کے لئے عقل کا ذریعہ عطا فرمایا ہے۔

عقل کا دائرہ کار

لیکن جس طرح آنکھ، کان اور زبان وغیرہ کا کام غیر محدود نہیں تھا بلکہ ایک دائرہ کار کے اندر اپنا کام کرتے تھے، اس سے باہر یہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے تھے، اسی طرح عقل کا کام بھی غیر محدود نہیں بلکہ اس کا بھی ایک دائرہ کار ہے، اس دائرہ کار سے باہر نکل کر وہ بھی انسان کی رہنمائی نہیں کرتی، ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جہاں پر عقل بھی خاموش ہوجاتی ہے، جواب دے جاتی ہے اور انسان کی صحیح رہنمائی نہیں کرسکتی۔

ایک اور ذریعہ علم "وحی الٰہی"

اور جس جگہ پر عقل انسان کی صحیح رہنمائی کرنے سے عاجز ہوجاتی ہے، وہاں پر انسان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے تیسرا ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، اس تیسرے ذریعہ علم کا نام ہے "وحی الٰہی" یعنی اللہ تعالیٰ کی

طرف سے نازل شدہ "وحی" جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے۔ یہ "وحی" اسی جگہ پر انسان کی رہنمائی کرتی ہے جس جگہ پر انسان کی تنہا عقل کافی نہیں ہوتی۔ لہٰذا جن باتوں کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں تھا، ان باتوں کو بتانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی، اس وحی کے ذریعہ ہمیں بتایا کہ یہ کام اس طرح ہے۔

عقل کے آگے "وحی الٰہی"

مثلاً یہ بات کہ اس کائنات کے ختم ہونے کے بعد اور انسان کے مرنے کے بعد ایک زندگی اور آنے والی ہے، جس میں انسان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اس کو وہاں پر اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، اور وہاں پر ایک عالَم جنّت ہے اور ایک عالَم جہنّم ہے۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کے بارے میں وحی نازل نہ ہوتی، اور وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کو نہ بتایا جاتا، تو محض عقل کی بنیاد پر ہم اور آپ یہ پتہ نہیں لگاسکتے تھے کہ مرنے کے بعد کیسی زندگی آنے والی ہے اور اس میں کیسے حالات پیش آنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کس طرح جواب دینا ہے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرا ذریعہ علم ہمیں عطا فرمایا، جس کا نام "وحی الٰہی" ہے۔

وحی الٰہی کو عقل سے مت تولو

یہ "وحی الٰہی" آتی ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کام نہیں دے سکتی

تھی اور انسان کی رہنمائی نہیں کر سکتی تھی، اس وجہ سے اس جگہ پر "وحی الٰہی" ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں وحی الٰہی کی بات اس وقت تک نہیں مانوں گا جب تک وہ بات میری عقل میں نہ آجائے۔ وہ شخص ایسا ہی بیوقوف ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ بات اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گا جب تک مجھے اپنے کان سے یہ چیز نظر نہ آنے لگے۔ ایسا شخص بیوقوف ہے، اس لئے کہ کان دیکھنے کے لئے بنایا ہی نہیں گیا۔ اسی طرح وہ شخص بھی بیوقوف ہے جو یہ کہے کہ میں وحی الٰہی کی بات اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گا جب تک میری عقل نہ مان لے۔ اس لئے کہ وحی الٰہی تو آتی ہی اس جگہ پر ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہوجاتی ہے، جیسے میں نے آپ کو جنّت اور جہنّم کی مثال دی۔ اب لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنّت اور جہنّم کی بات ہماری عقل میں نہیں آتی۔ حالانکہ یہ چیزیں عقل کے اندر کیسے آسکتی ہیں؟ اس لئے کہ یہ چیزیں عقل کی محدود پرواز اور محدود دائرے سے باہر ہیں، اسی وجہ سے ان کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی۔

اچھائی اور بُرائی کا فیصلہ "وحی" کرے گی

اسی طرح یہ بات کہ کونسی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بری ہے؟ کیا کام اچھا ہے اور کیا کام بُرا ہے؟ کیا چیز حلال ہے اور کیا چیز حرام ہے؟ کون

سا کام جائز ہے اور کون سا کام ناجائز ہے؟ یہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند اور یہ کام اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، یہ فیصلہ وحی پر چھوڑا گیا، محض انسان کی عقل پر نہیں چھوڑا گیا، اس لئے کہ تنہا انسان کی عقل یہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی کہ کون سا کام اچھا ہے اور کون سا کام بُرا ہے۔ کون سا حلال ہے اور کون سا حرام ہے۔

انسانی عقل غلط رہنمائی کرتی ہے

اس دنیا کے اندر جتنی بڑی سے بڑی بُرائیاں پھیلی ہیں اور غلط سے غلط نظریات اس دنیا کے اندر آئے وہ سب عقل کی بنیاد پر آئے۔ مثلاً ہم اور آپ بحیثیت مسلمان کے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سور کا گوشت حرام ہے۔ اگر اس کے بارے میں وحی کی رہنمائی سے ہٹ کر صرف عقل کی بنیاد پر سوچیں گے تو عقل غلط رہنمائی کرے گی، جیسا کہ غیر مسلموں نے صرف عقل کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ ہمیں تو سور کا گوشت کھانے میں بڑا مزہ آتا ہے، اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ اس میں کیا عقلی خرابی ہے؟۔ اسی طرح ہم اور آپ کہتے ہیں کہ شراب پینا حرام ہے، شراب بری چیز ہے، لیکن جو شخص وحی الٰہی پر ایمان نہیں رکھتا، وہ یہ کہے گا کہ شراب پینے میں کیا قباحت ہے، کیا بُرائی ہے، ہمیں تو اس میں کوئی بُرائی نظر نہیں آتی، لاکھوں افراد شراب پی رہے ہیں، ان کو اس کے پینے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہورہا ہے، اور ہماری عقل میں تو اس کے بارے میں کوئی

خرابی سمجھ میں نہیں آتی۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ مرد و عورت کے درمیان بدکاری میں کیا حرج ہے؟ اگر ایک مرد اور ایک عورت اس کام پر رضامند ہیں تو اس کام میں عقلی خرابی کیا ہے؟ اور عقلی اعتبار سے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بُرا کام ہے؟ اور اگر رضامندی کے ساتھ مرد و عورت نے یہ کام کرلیا تو تیسرے آدمی کو کیا اختیار ہے کہ اسکے اندر رُکاوٹ ڈالے؟۔ دیکھئے! اسی عقل کے بل بوتے پر بد سے بد تر بُرائی کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا، اس لئے کہ جب عقل کو اس کے دائرہ کار سے آگے بڑھایا تو یہ عقل اپنا جواب غلط دینے لگی۔ لہٰذا جب انسان عقل کو اس جگہ پر استعمال کرے گا جہاں پر اللہ تعالیٰ کی وحی آچکی ہے تو وہاں پر عقل غلط جواب دینے لگے گی اور غلط راستے پر لے جائے گی۔

اشتراکیت کی بنیاد عقل پر تھی

دیکھئے روس کے اندر چوہتر(۷۴) سال تک اس عقل کی بنیاد پر اشتراکیت، سوشلزم اور کمیونزم کا بازار گرم رہا، اور پوری دنیا میں مساوات اور غریبوں کی ہمدردی کے نام پر شور مچایا گیا، کمیونزم اور اشتراکیت کا پوری دنیا میں ڈنکا بجتا رہا، اور یہ کہہ دیا کہ عنقریب ساری دنیا پر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی، اور یہ سب کچھ عقل کی بنیاد پر تھا۔ اگر اس وقت کوئی اٹھ کر اس کے خلاف کوئی آواز نکالتا کہ یہ نظریہ غلط ہے، تو اس کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ کہا جاتا، جاگیرداروں کا ایجنٹ کہا جاتا، اس

کو رجعت پسند کہا جاتا تھا۔ لیکن آج چوہتر سال کے بعد ساری دنیا اس کا تماشہ دیکھ رہی ہے، لینن جس کی پوجا کی جارہی تھی، اس کے بت خود اس کے ماننے والے گرا کر توڑ رہے ہیں۔ جو نظریہ وحی الہٰی سے آزاد ہو کر صرف عقل کی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے، اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔

وحی الہٰی کے آگے سر جھکالو

اس لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اگر زندگی ٹھیک گزارنی ہے تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ جہاں اللہ کا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور وحی الہٰی کا پیغام آجائے وہاں انسان اپنے آپ کو اس کے تابع بنالے، اس کے آگے جھک جائے، اور اسکے خلاف عقل کے گھوڑے نہ دوڑائے، چاہے بظاہر وہ عقل کے خلاف اور اپنی خواہشات کے خلاف اور مصلحت کے خلاف نظر آتا ہو۔ بس اللہ تعالیٰ کا حکم آجانے کے بعد اپنا سر اس کے آگے جھکادے۔ یہ ہے اسلام میں داخل ہونے کا مطلب۔ لہٰذا جو آیت میں نے تلاوت کی، اسکے پہلے جملے کا مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہوجاؤ، یعنی اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مکمل تابع کردو۔

پورے داخل ہونے کا مطلب

اس آیت کے دوسرے جملے میں ارشاد فرمایا کہ "پورے کے پورے

داخل ہو جاؤ" یعنی یہ نہ ہو کہ ایمان اور عقیدے اور عبادات کی حد تک تو اسلام میں داخل ہو گئے کہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، زکوٰۃ دے دی، حج کر لیا، عبادتیں انجام دے دیں، اور جب مسجد میں پہنچے تو مسلمان، لیکن جب بازار پہنچے، جب دفتر پہنچے، یا گھر پہنچے تو وہاں مسلمان نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اسلام" محض عبادتوں کا نام نہیں کہ صرف عبادتیں انجام دے دیں تو مسلمان ہو گیا، بلکہ اپنی پوری زندگی کو اللہ کے حکم کے تابع بنانے کا نام "اسلام" ہے۔ لہٰذا مسلمان وہ ہے جو بازار میں بھی مسلمان ہو، دفتر میں بھی مسلمان ہو، گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ بھی مسلمان ہو، دوست و احباب کے ساتھ بھی مسلمان ہو۔

اسلام کے پانچ حصّے

اس "دین اسلام" کے اللہ تعالیٰ نے پانچ حصّے بنائے ہیں، ان پانچ حصّوں پر دین مشتمل ہے:

(۱) **عقائد:** یعنی عقیدہ درست ہونا چاہئے۔

(۲) **عبادات:** یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی ہونی چاہئے۔

(۳) **معاملات:** یعنی خرید و فروخت کے معاملات اور بیع و شراء کے معاملات اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، ناجائز اور حرام طریقے سے پیسے نہ کمائے۔

④ **معاشرت:** یعنی باہمی میل جول اور ایک دوسرے کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور زندگی گزارنے اور رہن سہن کے طریقے میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں، ان احکام کو انسان پورا کرے۔

⑤ **اخلاق:** یعنی اس کے باطنی اخلاق، جذبات اور خیالات درست ہوں۔

آج ہم مسجد میں مسلمان ہیں، لیکن جب بازار پہنچے تو لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، امانت میں خیانت کررہے ہیں، دوسروں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں، ان کی دل آزاری کررہے ہیں۔ یہ تو اسلام میں پورا داخل ہونا نہ ہوا، اس لئے کہ اسلام کا ایک چوتھائی حصہ عبادات ہیں اور تین چوتھائی حصہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ لہٰذا جب تک انسان بندوں کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھے گا، پورا اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سفر پر تھے، زاد راہ جو ساتھ تھا وہ ختم ہوگیا، آپ نے دیکھا کہ جنگل میں بکریوں کا گلہ چر رہا ہے، اور اہل عرب کے اندر یہ رواج تھا کہ لوگ مسافروں کو راستے میں مہمان نوازی کے طور پر مفت دودھ پیش کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ چرواہے کے پاس گئے اور اس سے جاکر فرمایا کہ میں مسافر ہوں اور کھانے پینے کا

سامان ختم ہو گیا ہے، تم ایک بکری کا دودھ نکال کر مجھے دے دیدو تاکہ میں پی لوں۔ چرواہے نے کہا کہ آپ مسافر ہیں، میں آپ کو دودھ ضرور دے دیتا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، ان کا مالک دوسرا شخص ہے، اور ان کے چرانے کی خدمت میرے سپرد ہے۔ اس لئے یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں، اور ان کا دودھ بھی امانت ہے، لہٰذا شرعی اعتبار سے میرے لئے ان کا دودھ آپ کو دینا جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا امتحان لینا چاہا اور اس سے فرمایا کہ دیکھو بھائی! میں تمہیں ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں، جس میں تمہارا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی فائدہ ہے، وہ یہ کہ تم ایسا کرو کہ ان میں سے ایک بکری مجھے فروخت کردو اور اس کی قیمت مجھ سے لے لو، اس میں تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں پیسے مل جائیں گے، اور میرا فائدہ یہ ہو گا کہ مجھے بکری مل جائے گی، راستے میں اس کا دودھ استعمال کرتا رہوں گا۔ رہا مالک! تو مالک سے کہہ دینا کہ ایک بکری بھیڑیا کھا گیا، اور اس کو تمہاری بات پر یقین بھی آجائے گا، کیونکہ جنگل میں بھیڑیے بکریاں کھاتے رہتے ہیں، اس طرح ہم دونوں کا کام بن جائے گا۔ جب چرواہے نے یہ تدبیر سنی تو فوراً اس نے جواب میں کہا: یا ھذا! فاین اللّٰہ ؟ اے بھائی! اگر میں یہ کام کرلوں تو اللہ کہاں گیا؟ یعنی یہ کام میں یہاں تو کرلوں گا، اور مالک کو بھی جواب دیدوں گا، وہ بھی شاید مطمئن ہو جائے گا، لیکن مالک کا بھی ایک اور مالک ہے، اس کے پاس جاکر کیا جواب دوں گا؟ اس لئے میں یہ کام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ظاہر

ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا امتحان لینا چاہتے تھے، جب اس چرواہے کا جواب سنا تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تجھ جیسے انسان اس روئے زمین پر موجود ہیں، اس وقت تک کوئی ظالم دوسرے شخص پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جب تک دل میں اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا احساس موجود رہے گا، اس وقت تک جرائم اور مظالم چل نہیں سکیں گے۔ یہ ہے اسلام میں پورا کا پورا داخل ہونا۔ جنگل کی تنہائی میں بھی اس کو یہ فکر ہے کہ میرا کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

یہ دین کا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا ایمان لمن لا امانة له" جس کے دل میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ میں جاکر ان سے ملاقات کروں اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ

کرام نے اس کو بتایا کہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا، اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے، لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ سے ملاقات کے لئے داخل ہو گیا اور آپ سے ملاقات کی۔ اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام اور ایمان کی دعوت رکھی اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رتبہ ہوگا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے"۔

اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں، اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آرہی ہے، ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے سے لگائیں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ہم تمہیں ضرور گلے سے لگائیں گے، اور تمہارے

جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے،
اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو
خوشبو سے تبدیل کردیں گے"۔

یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا، اور کلمہ شہادت:

﴿اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھدان محمدا
رسول اللّٰہ﴾

پڑھ لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ:

"تم ایسے وقت میں اسلام لائے ہو کہ نہ تو اس وقت
کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں، اور نہ
ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں، اور
زکوٰۃ تم پر فرض نہیں ہے، اس وقت تو صرف ایک
ہی عبادت ہورہی ہے جو تلوار کی چھاؤں میں انجام
دی جاتی ہے، وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ"۔

اس چرواہے نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس جہاد میں شامل ہوجاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے، اس کے لئے دو میں ایک صورت ہوتی ہے، یا غازی یا شہید۔ تو اگر میں اس جہاد میں شہید ہو جاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہوگئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچا دیں گے، اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیں گے، اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے"۔

بکریاں واپس کر کے آؤ

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم یہودیوں کی جو بکریاں لے کر آئے ہو، ان کو جاکر واپس کرو، اس لئے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں"۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے، ان کا مال مال غنیمت ہے، لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر کے آؤ، پھر آکر جہاد میں شامل ہونا۔ چنانچہ اس چرواہے نے جاکر بکریاں واپس کیں، اور واپس آکر جہاد میں شامل ہوا، اور شہید ہو گیا ــــــ اس کا نام ہے "اسلام"۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں۔ جب یہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے، تو مسلمان ہونے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ آرہے تھے، راستے میں ان کی ملاقات ابوجہل اور اس کے لشکر سے ہوگئی، اس وقت ابوجہل اپنے لشکر کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جارہا تھا۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ابوجہل سے ہوئی تو اس نے پکڑ لیا، اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ جارہے ہیں۔ ابوجہل نے کہا کہ پھر تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے، اس لئے کہ تم مدینہ جاکر ہمارے خلاف جنگ میں حصہ لوگے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا مقصد تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اور زیارت ہے، ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ ابوجہل نے کہا کہ اچھا ہم سے وعدہ کرو کہ وہاں جاکر صرف ملاقات کرو گے، لیکن جنگ میں حصہ نہیں لوگے۔ انہوں نے وعدہ کرلیا۔ چنانچہ ابوجہل نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ جب مدینہ منورہ پہنچے، تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ غزوۂ بدر کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوچکے تھے، لہٰذا ان کی راستے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔

حق وباطل کا پہلا معرکہ "غزوۂ بدر"

اب اندازہ لگائیے کہ اسلام کا پہلا حق وباطل کا معرکہ (غزوۂ بدر) ہورہا ہے۔ اور یہ وہ معرکہ ہے جس کو قرآن کریم نے "یوم الفرقان" فرمایا، یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر دینے والا معرکہ، یہ وہ معرکہ ہو رہا ہے جس میں جو شخص شامل ہوگیا وہ "بدری" کہلایا، اور صحابہ کرام میں "بدری" صحابہ کا بہت اونچا مقام ہے۔ اور "اسمائے بدریین" بطور وظیفے کے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے نام پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتے ہیں۔ وہ "بدریین" ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشن گوئی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ نے سارے اہل بدر جنہوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا، بخشش فرما دی ہے، ایسا معرکہ ہونے والا ہے۔

گردن پر تلوار رکھ کر لیا جانے والا وعدہ

بہرحال، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا قصہ سنا دیا کہ اس طرح راستے میں ہمیں ابوجہل نے پکڑ لیا تھا، اور ہم نے یہ وعدہ کر کے بمشکل جان چھڑائی کہ ہم لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے۔ اور پھر درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ بدر کا معرکہ ہونے والا ہے، آپ اس

میں تشریف لے جارہے ہیں، ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم بھی اس میں شریک ہوجائیں، اور جہاں تک اس وعدہ کا تعلق ہے، وہ تو انہوں نے ہماری گردن پر تلوار رکھ کر ہم سے یہ وعدہ لیا تھا کہ ہم جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، اگر ہم وعدہ نہ کرتے تو وہ ہمیں نہ چھوڑتے، اس لئے ہم نے وعدہ کرلیا، لہٰذا آپ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم اس جنگ میں حصہ لے لیں، اور فضیلت اور سعادت ہمیں حاصل ہوجائے۔

(الاصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۶)

تم وعدہ کرکے زبان دے کر آئے ہو

لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، تم وعدہ کر کے آئے ہو اور زبان دے کر آئے ہو، اور اسی شرط پر تمہیں رہا کیا گیا ہے کہ تم وہاں جاکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرو گے، لیکن ان کے ساتھ جنگ میں حصہ نہیں لوگے، اس لئے میں تم کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ مواقع ہیں جہاں انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان اور اپنے وعدے کا کتنا پاس کرتا ہے۔ اگر ہم جیسا آدمی ہوتا تو ہزار تاویلیں کرلیتا، مثلاً یہ تاویل کرلیتا کہ ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، وہ سچے دل سے تو نہیں کیا تھا، وہ تو ہم سے زبردستی لیا گیا تھا۔ اور خدا جانے کیا کیا تاویلیں ہمارے ذہنوں میں آجاتیں۔ یا یہ تاویل کرلیتا کہ یہ حالت عذر

ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شامل ہونا ہے اور کفر کا مقابلہ کرنا ہے۔ جب کہ وہاں ایک ایک آدمی کی بڑی قیمت ہے، کیونکہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف ۳۱۳ نہتے افراد ہیں، جن کے پاس صرف ۷۰ اونٹ، ۲ گھوڑے اور ۸ تلواریں ہیں۔ باقی افراد میں سے کسی نے لاٹھی اٹھائی ہے، کسی نے ڈنڈے، اور کسی نے پتھر اٹھا لئے ہیں۔ یہ لشکر ایک ہزار مسلح سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے جارہا ہے، اس لئے ایک ایک آدمی کی جان قیمتی ہے ـــــ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بات کہہ دی گئی ہے، اور جو وعدہ کر لیا گیا ہے، اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ اس کا نام ہے "اسلام"۔

جہاد کا مقصد حق کی سربلندی

اس لئے کہ یہ جہاد کوئی ملک حاصل کرے کے لئے نہیں ہو رہا تھا، کوئی اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہیں ہو رہا تھا، بلکہ یہ جہاد حق کی سربلندی کے لئے ہو رہا تھا۔ اور حق کو پامال کر کے جہاد کیا جائے؟ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کا کام کیا جائے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ آج ہم لوگوں کی یہ ساری کوششیں بیکار جارہی ہیں، اور ساری کوششیں بے اثر ہو رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گناہ کر کے اسلام کی تبلیغ کریں، گناہ کر کے اسلام کو نافذ کریں، ہمارے دل ودماغ پر ہر وقت ہزاروں تاویلیں مسلط رہتی ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت

مصلحت کا یہ تقاضہ ہے، چلو، شریعت کے اس حکم کو نظرانداز کردو۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت مصلحت اس کام کے کرنے میں ہے، چلو، یہ کام کرلو۔

یہ ہے وعدہ کا ایفاء

لیکن وہاں تو ایک ہی مقصود تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونا، نہ مال مقصود ہے، نہ فتح مقصود ہے، نہ بہادر کہلانا مقصود ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ جو وعدہ کرلیا گیا ہے، اس کو نبھاؤ۔ چنانچہ حضرت حذیفہ اور ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو غزوۂ بدر جیسی فضیلت سے محروم رکھا گیا، اس لئے کہ یہ دونوں جنگ میں شرکت نہ کرنے پر زبان دے کر آئے تھے۔ یہ ہے "اسلام" جس کے بارے میں فرمایا کہ اس اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگوں نے معلوم نہیں کیا کیا غلط قسم کے پروپیگنڈے کئے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے ـــــ آمین ـــــ لوگ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا ایک قصہ سن لیجئے۔

فتح حاصل کرنے کے لئے جنگی تدبیر

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ شام میں تھے، اس لئے روم کی حکومت سے ان کی ہر وقت جنگ رہتی تھی، ان کے ساتھ برسرپیکار رہتے تھے۔ اور روم اس وقت کی سپر پاور سمجھی جاتی تھی، اور بڑی عظیم الشان عالمی طاقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا، اور ایک تاریخ متعین کرلی کہ اس تاریخ تک ہم ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے، ابھی جنگ بندی کے معاہدے کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی، اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ جنگ بندی کی مدت تو درست ہے لیکن اس مدت کے اندر میں اپنی فوجیں رومیوں کی سرحد پر لیجا کر ڈال دوں، تاکہ جس وقت جنگ بندی کی مدت ختم ہو، اس وقت میں فوراً حملہ کردوں، اس لئے کہ دشمن کے ذہن میں تو یہ ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی، پھر کہیں جاکر لشکر روانہ ہو گا، اور یہاں آنے میں وقت لگے گا، اس لئے معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی فوراً مسلمانوں کا لشکر حملہ آور نہیں ہو گا، لہٰذا وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس لئے اگر میں اپنا لشکر سرحد پر ڈال دوں اور مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کردوں تو جلدی فتح حاصل ہو جائے گی۔

یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے

چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر ان کے علاقے میں ڈال دیا، اور حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اور جیسے ہی جنگ بندی کے معاہدے کی آخری تاریخ کا سورج غروب ہوا، فوراً حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو پیش قدمی کا حکم دے دیا، چنانچہ جب لشکر نے پیش قدمی کی تو یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی، اس لئے کہ وہ لوگ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں فتح کرتا ہوا چلا جارہا تھا، اب فتح کے نشے کے اندر پورا لشکر آگے بڑھتا جارہا تھا کہ اچانک دیکھا کہ پیچھے سے ایک گھوڑا سوار دوڑتا چلا آرہا ہے، اس کو دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے انتظار میں رک گئے کہ شاید یہ امیر المؤمنین کا کوئی نیا پیغام لے کر آیا ہو، جب وہ گھوڑا سوار قریب آیا تو اس نے آوازیں دینا شروع کردیں:

﴿ اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، قفوا عباد اللّٰہ قفوا عباد اللّٰہ ﴾

اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، اللہ کے بندو ٹھہر جاؤ، جب وہ اور قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ

کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿وفاء لاغدر، وفاء لاغدر﴾

مؤمن کا شیوہ وفاداری ہے، غداری نہیں ہے، عہد شکنی نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو کوئی عہد شکنی نہیں کی ہے، میں نے تو اس وقت حملہ کیا ہے جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگرچہ جنگ بندی کی مدت ختم ہوگئی تھی، لیکن آپ نے اپنی فوجیں جنگ بندی کی مدت کے دوران ہی سرحد پر ڈال دی تھیں، اور فوج کا کچھ حصہ سرحد کے اندر بھی داخل کردیا تھا، اور یہ جنگ بندی کے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ اور میں نے اپنے ان کانوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

﴿من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلنه ولا يشدنه الى ان يمضى اجل له اوينبذ اليهم على سواء﴾ (ترمذی، ابواب السیر، باب فی الغدر، حدیث نمبر۱۵۸۰)

یعنی جب تمہارا کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو، تو اس وقت تک عہد نہ کھولے اور نہ باندھے جب تک کہ اس کی مدت نہ گزر جائے، یا ان کے سامنے پہلے کھلم کھلا یہ اعلان نہ کردے کہ ہم نے وہ عہد ختم کردیا۔ لہٰذا مدت گزرنے سے پہلے یا عہد کے ختم کرنے کا اعلان کئے بغیر ان کے علاقے کے پاس لے جاکر فوجوں کو ڈال دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم کے اس ارشاد کے مطابق آپ کے لئے جائز نہیں تھا۔

سارا مفتوحہ علاقہ واپس کردیا

اب آپ اندازہ لگائیے کہ ایک فاتح لشکر ہے، جو دشمن کا علاقہ فتح کرتا ہوا جارہا ہے، اور بہت بڑا علاقہ فتح کرچکا ہے، اور فتح کے نشے میں چور ہے۔ لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑا کہ اپنے عہد کی پابندی مسلمان کے ذمے لازم ہے۔ اسی وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دے دیا کہ جتنا علاقہ فتح کیا ہے، وہ سب واپس کردو، چنانچہ پورا علاقہ واپس کردیا اور اپنی سرحد میں دوبارہ واپس آگئے —— پوری دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی کہ اس نے صرف عہد شکنی کی بناء پر اپنا مفتوحہ علاقہ اس طرح واپس کردیا ہو۔ لیکن یہاں پر چونکہ کوئی زمین کا حصہ پیش نظر نہیں تھا، کوئی اقتدار اور سلطنت مقصود نہیں تھی، بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہوگیا کہ وعدہ کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، اور چونکہ یہاں وعدہ کی خلاف ورزی کا تھوڑا سا شائبہ پیدا ہورہا تھا، اس لئے واپس لوٹ گئے —— یہ ہے "اسلام" جس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ "ادخلوا فی السلم کافۃ" کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور معاہدہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو اس وقت وہاں پر جو عیسائی اور یہودی تھے، ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے، تمہارے جان ومال کی حفاظت کریں گے، اور اس کے معاوضے میں تم ہمیں جزیہ ادا کرو گے ــــ "جزیہ" ایک ٹیکس ہوتا ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے ــــ چنانچہ جب معاہدہ ہو گیا تو وہ لوگ ہر سال جزیہ ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ مسلمانوں کا دوسرے دشمنوں کے ساتھ معرکہ پیش آگیا، جس کے نتیجے میں وہ فوج جو بیت المقدس میں متعین تھی ان کی ضرورت پیش آئی۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ اگر فوج کی کمی ہے تو بیت المقدس میں فوجیں بہت زیادہ ہیں، اس لئے وہاں سے ان کو محاذ پر بھیج دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ مشورہ اور تجویز بہت اچھی ہے، لہٰذا فوجیں وہاں سے اٹھاکر محاذ پر بھیج دو، لیکن اس کے ساتھ ایک کام اور بھی کرو، وہ یہ کہ بیت المقدس کے جتنے عیسائی اور یہودی ہیں، ان سب کو ایک جگہ جمع کرو، اور ان سے کہو کہ ہم نے آپ کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے جان ومال کی حفاظت کریں گے، اور اس کام کے لئے ہم نے وہاں فوج ڈالی ہوئی تھی، لیکن اب ہمیں دوسری جگہ فوج کی ضرورت پیش آگئی ہے، اس لئے ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے، لہٰذا اس سال آپ نے ہمیں جو جزیہ بطور ٹیکس ادا

کیا ہے، وہ ہم آپ کو واپس کر رہے ہیں، اور اس کے بعد ہم اپنی فوجوں کو یہاں سے لے جائیں گے۔ اور اب آپ لوگ اپنی حفاظت کا انتظام خود کریں۔

یہ ہے "اسلام" یہ نہیں کہ صرف نماز پڑھ لی اور روزہ رکھ لیا اور بس مسلمان ہو گئے، بلکہ جب تک اپنا پورا وجود، اپنی زبان، اپنی آنکھ، اپنے کان، اپنی زندگی کا طرز عمل پورا کا پورا اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہو گا اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہوں گے۔

دوسروں کو تکلیف پہنچانا اسلام کے خلاف ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے اور حرام ہے، اور یہ ایسا ہی بڑا گناہ ہے جیسے شراب پینا گناہ ہے۔ جیسے بدکاری کرنا گناہ ہے۔ جیسے سور کھانا گناہ ہے۔ اور تکلیف پہنچانے کے جتنے راستے ہیں، وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ مسلمان کا فرض یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائے۔ مثلاً آپ گاڑی لے کر جارہے ہیں اور کسی جگہ جاکر گاڑی کھڑی کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے ایسی جگہ جاکر گاڑی کھڑی کردی جو جگہ دوسرے لوگوں کے لئے گزرنے کی جگہ تھی، آپ کے گاڑی کھڑی کرنے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو گزرنا مشکل ہوگیا، اب آپ تو یہ

سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے زیادہ سے زیادہ ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، آپ اس کو دین کی خلاف ورزی اور گناہ نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ صرف بداخلاقی کی بات نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ ایسا ہی گناہ ہے جیسے شراب پینا گناہ ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے یعنی اس کے پورے وجود سے دوسرے انسان محفوظ رہیں، ان کو تکلیف نہ پہنچے۔ آپ نے اپنی گاڑی غلط جگہ پارک کر کے دوسروں کو تکلیف پہنچائی۔ آج ہم نے دین اسلام کو عبادت کی حد تک اور نماز روزے کی حد تک اور مسجد کی حد تک، اور وظائف اور تسبیحات کی حد تک محدود کرلیا ہے، اور بندوں کے جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں ان کو ہم نے دین سے بالکل خارج کردیا۔

حقیقی مفلس کون؟

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم لوگ تو اس شخص کو مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقی مفلس وہ نہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو، بلکہ حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جب حاضر ہوگا تو اس طرح

حاضر ہوگا کہ اس کے اعمال نامے میں بہت سارے روزے ہوں گے، بہت سی نمازیں اور وظیفے ہوں گے، تسبیحات اور نوافل کا ڈھیر ہوگا، لیکن دوسری طرف کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو دھوکہ دیا ہوگا، کسی کی دل آزاری کی ہوگی، کسی کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اور اس طرح اس نے بہت سے انسانوں کے حقوق غصب کئے ہوں گے ـــــ اب اصحاب حقوق اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے کہ یا اللہ! اس شخص نے ہمارا حق غصب کیا تھا، اس سے ہمارا حق دلوایئے۔ اب وہاں پر روپے پیسے تو چلیں گے نہیں کہ ان کو دے کر حساب کتاب برابر کرلیا جائے، وہاں کی کرنسی تو نیکیاں ہیں، چنانچہ صاحب حقوق کو اس کی نیکیاں دینی شروع کی جائیں گی، کسی کو نماز دیدی جائے گی، کسی کو روزے دیدیئے جائیں گے، اس طرح ایک ایک صاحب حق اس کی نیکیاں لے کر چلتے جائیں گے یہاں تک کہ اس کی ساری نیکیاں ختم ہوجائیں گی اور یہ شخص خالی ہاتھ رہ جائے گا، نماز روزے کے جتنے ڈھیر لایا تھا، وہ سب ختم ہوجائیں گے، لیکن حق والے اب بھی باقی رہ جائیں گے۔ تو اب اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ اب حق دلوانے کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب حق کے اعمال میں جو گناہ ہیں وہ اس شخص کے نامۂ اعمال میں ڈال دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ شخص نیکیوں کا انبار لے کر آیا تھا، لیکن بعد میں نیکیاں تو ساری ختم ہوجائیں گی، اور دوسرے لوگوں کے گناہوں کے انبار لے کر واپس جائے گا، یہ شخص حقیقی مفلس ہے۔

آج ہم پورے اسلام میں داخل نہیں

اس سے اندازہ لگائیں کہ حقوق العباد کا معاملہ کتنا سنگین ہے، لیکن ہم لوگوں نے اس کو دین سے بالکل خارج کردیا ہے، قرآن کریم تو کہہ رہا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہوجاؤ، آدھے نہیں، بلکہ پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ تمہارا وجود، تمہاری زندگی، تمہاری عبادت، تمہارے معاملات، تمہاری معاشرت، تمہارے اخلاق، ہر چیز اسلام کے اندر داخل ہونی چاہئے، اس کے ذریعہ تم صحیح معنی میں مسلمان بن سکتے ہو۔ یہی وہ چیز تھی جس کے ذریعہ درحقیقت اسلام پھیلا ہے۔ اسلام محض تبلیغ سے نہیں پھیلا، بلکہ انسانوں کی سیرت اور کردار سے پھیلا ہے، مسلمان جہاں بھی گئے انہوں نے اپنی سیرت اور کردار کا لوہا منوایا، اس سے اسلام کی طرف رغبت اور کشش پیدا ہوئی۔ اور آج ہماری سیرت اور کردار دیکھ کر لوگ اسلام سے متنفر ہورہے ہیں۔

پورے داخل ہونے کا عزم کریں

آج ہم لوگ جو دین کی باتیں سننے کے لئے اس محفل میں جمع ہوئے ہیں، اس سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم یہ عزم کریں کہ اپنی زندگی میں اسلام کو داخل کریں گے، زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کو داخل کریں گے، عبادات بھی، معاملات بھی، معاشرت بھی، اخلاق بھی، ہر چیز اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کریں گے۔

دین کی معلومات حاصل کریں

ایک گزارش آپ حضرات سے یہ کرتا ہوں کہ چوبیں گھنٹوں میں سے کچھ وقت دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے نکال لیں، مستند کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ان کو اپنے گھروں کے اندر پڑھنے کا معمول بنائیں، جس کے ذریعہ دینی تعلیمات سے واقفیت ہو۔ آج مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگ دین کی تعلیمات سے واقف نہیں۔ اگر ہم یہ فائدہ حاصل کرسکیں اور اس کے ذریعہ ہمارے دلوں میں دین پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوجائے تو یہ انشاء اللہ یہ مجلس مفید ہوگی، ورنہ کہنے سننے کی مجلسیں تو بہت ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے بھی اور آپ سب کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین